مطبوعات

اساسیات اسلام

تالیف :۔ مولانا محمد حنیف ندوی
شائع کردہ :۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور
قیمت :۔ ۱۰/۵۰ روپے صفحات ۲۴۸

زیر تبصرہ کتاب کے فاضل مصنّف پاک و ہند کے علمی اور دینی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ امام غزالیؒ، ابن خلدون، علامہ ابوالحسن اشعریؒ اور امام ابن تیمیہؒ پر انہوں نے جس نئے انداز سے کام کیا ہے وہ اہلِ نظر سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اساسیات اسلام ان کی نئی تصنیف ہے جس میں انہوں نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فرد اور معاشرہ کے فکری اور تہذیبی مسائل کا تجزیہ اور حل پیش کیا ہے۔

ہمارے نزدیک اس کتاب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ مولٰینا نے جدید ذہن اور جدید فلسفے کو سامنے رکھتے ہوئے نئے اور ٹھوس استدلال اور علمی اندازِ بیان کے ساتھ اسلام کی اساسی تعلیمات سے بحث کی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے اسلام کے بعض بنیادی تصورات بڑے سلجھے ہوئے انداز میں اُجاگر کیے ہیں — مثلاً اسلام میں عقیدہ توحید اور معاشرے پر اُس کے اثرات۔ پھر انہوں نے فنون لطیفہ کے ذیل میں رقص اور مجسمہ سازی کی حرمت جن عقلی دلائل کے ساتھ ثابت کی ہے وہ بھی قابلِ قدر ہے۔ مگر ہم افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ فاضل مصنّف نے کتاب میں بعض ایسی باتیں بھی کی ہیں جو محل نظر ہیں اور بعض تو ایسی ہیں جن سے کسی صورت بھی اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا نے اپنی گفتگو کا آغاز وقت کے تقاضوں سے کیا ہے اور ان تقاضوں کی ہیبت اس طرح دل پر نقش کرنے کی کوشش کی ہے جس طرح کہ تجدّد پسند حضرات بالعموم کرتے ہیں جیسے کہ یہ تقاضے کوئی ازلی و ابدی حقائق ہیں جنہیں جوں کا توں تسلیم کیے بغیر اور اسلامی تعلیمات کو موڑ توڑ کر ان سے ہم آہنگ کیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ غالباً یہ ان تقاضوں سے شدید مرعوبیت کا نتیجہ ہے کہ مولانا بھی عصری تقاضوں

کے بعض دوسرے نقیبوں کی طرح قرآن مجید کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں، گویا کہ تنہا کتاب الٰہی ہی شریعت اسلامی کا ماخذ ہے۔

پھر انہوں نے عورت کے بارے میں فطرت کے جس فیصلے کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی صحیح نہیں کیا۔ عورت کی عظمت اس بات میں مضمر نہیں کہ وہ زندگی کے ہر دائرے میں مرد پر سبقت لے جانے کی کوشش کرے۔ فطرت نے اُسے بعض دوسرے دوائر میں جدوجہد کرنے کے لیے پیدا کیا ہے اور وہیں اس کی جدوجہد کارآمد نتائج پیدا کر سکتی ہے۔

یوں تو پوری کتاب میں تجدد پسندی کا رنگ غالب ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کا سب سے کمزور حصہ وہ ہے جس میں اسلام کے اقتصادی مؤقف پر بحث کی گئی ہے۔ سوشلزم کے بارے میں مولانا کا مؤقف یہ ہے کہ یہ اپنے ریاضیاتی مزاج کے اعتبار سے نہ اسلامی ہے نہ غیر اسلامی۔ یہ ایک سائنس ہے "جس کا تعلق تقسیم دولت کے ایک خاص طریق سے ہے" لیکن اگلا فقرہ تحریر کرتے ہوئے وہ غالباً اپنے اس قول کو بھول جاتے ہیں اور پھر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی بنیاد اور اساس میں جدلی مادیت کا تصور کارفرما ہے۔ اشتراکیت تقسیم دولت کا صرف ایک شعبہ نہیں بلکہ ایک کلیت پسند ضابطہ حیات ہے جو اساسی تصورات سے لے کر جزئیات اور فروعات تک جدلی مادیت کے فلسفے سے عبارت ہے۔ اس لیے اسلام کے ساتھ اس کی پیوندکاری نہیں کی جا سکتی، مگر مولانا اشتراکیت کی اقتصادی روح کو اسلامی فکر میں سمو دینے کے لیے شدید آرزومند نظر آتے ہیں۔

مولانا کے نزدیک معاشی ناہمواریوں کا ایک ہی حل ہے کہ ذرائع پیداوار کو حکومت کی تحویل میں دے دیا جائے تاکہ وہ ملی مصالح کے تحت ان سے فائدہ اُٹھائے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر چند سرمایہ دار محدود سے ذرائع پیداوار پر قابض ہوتے ہوئے عوام کے لیے جینا دوبھر کر سکتے ہیں تو آخر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ پوری ملت کے وسائل پر قابض افراد لازمی طور پر عوام کی خیر اور بھلائی ہی سوچیں گے۔ ایک نامور فلسفی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ دنیوی چیزوں میں انسان سب سے زیادہ طاقت کا حریص ہوتا ہے اور یہی چیز اس کے اندر سب سے زیادہ بگاڑ پیدا کرتی ہے۔ وہ دولت بھی اس لیے چاہتا ہے کہ یہ طاقت کے حصول کا مؤثر ذریعہ ہے۔ اب آپ اگر ایک ایسا معاشرہ قائم کر دیتے ہیں جس میں ذرائع پیداوار حکومت کی تحویل میں ہونے کی وجہ سے عوام ایک ایک لقمے کے لیے کارپردازانِ حکومت کے محتاج ہوں اور

ملت کے یہ سربراہ اس غیر مسئول اقتدار کے نشہ میں بدمست ہوکر عوام کو ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنانا شروع کردیں تو پھر ان بیچاروں کی نجات کی صورت کیا ہوگی. کیا ضمیر کی آزادی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ انسان کی معیشت بھی آزاد ہو۔

پھر مولانا جیسے فاضل اور بیدار مغز عالم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ دَور جدید میں حکومت کے اختیارات اس قدر وسیع ہوگئے ہیں کہ وہ ذرائع پیداوار پر قبضہ کیے بغیر معاشی ناہمواریوں کو جس طرح چاہے دُور کرسکتی ہے اور جس سطح پر چاہے عوام کی بنیادی ضروریات پوری کرنے پر قدرت رکھتی ہے۔

مولانا نے اسی باب میں غلامی کا ذکر کرتے ہوئے جس روشن ضمیر عالم پر "معذرت پسند متکلم" کی چوٹ کی ہے وہ بھی صحیح نہیں۔ روشن ضمیر متکلم نے غلامی کے بارے میں وہ بات نہیں کی جو اس کی طرف منسوب کی جارہی ہے۔ آج بھی اگر جنگی قیدیوں کے تبادلے کا بین الاقوامی قانون ختم ہو جائے تو پھر متعدد دوسری تدابیر کے علاوہ غلامی بھی قابل غور حل ہی متصور ہوگا۔

"اساسیات اسلام" میں ہمیں چند بنیادی عنوانات کی عدم موجودگی شدت سے کھٹکتی ہے۔ اگر توحید باری کا ذکر اساسیات اسلام میں سے ایک اساس ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ختم المرسلینی پر ایمان بھی اسلام کی ایک اساس ہی ہے۔ اسی طرح اگر نماز کا تذکرہ ضروری ہے، تو صوم، زکوٰۃ اور حج کا ذکر بھی اسی طرح ضروری ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ فاضل مصنف اس کتاب کی اشاعت ثانی کے وقت ہماری ان معروضات کو نگاہ میں رکھیں گے۔